Dr. Rubina Yasmeen
Assistant Professor, Department of Urdu,
Sarhad University of Science & Information Technology, Peshawar

ڈاکٹر روبینہ یاسمین
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو
سرحد یونیورسٹی، آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

بکٹ کہانی: بارہ ماسہ کا المیہ عشق

BIKUT KAHANI: A TALE OF LOVE AND LONGING

Abstract: Bikut Kahani by Muhammad Afzal is a remarkable work in the tradition of Barahmasa poetry, in which the progression of months and seasons serves as a symbolic backdrop for the exploration of love, longing, and separation. Through the voice of a female speaker who addresses her companions (sakhis), the poem portrays the intensity of desire and the anguish of separation from her beloved. Each month from the rains of Sawan to the frosty nights of Aghan and the blossoming of Phagun is depicted not merely as a change in nature, but as an intensification of emotional states. Hunger and sleep vanish, the heart burns with the fire of longing, and natural phenomena like rain, cold, or blossoming flowers deepen the sense of absence rather than bring solace. The poem exemplifies how seasonal cycles become metaphors for the constancy of human passion and suffering, creating a lyrical fusion of nature and emotion. Bikut Kahani thus stands as both a cultural artifact of medieval Indian literary traditions and a timeless expression of love, melancholy and the universality of human emotion.
Keywords: Barahmasa, Traditions, Desi Months, Sakhian, Solace, Emotion

بِکٹ" ایک ہندی الاصل لفظ ہے، جس کے معنی ہیں مصیبت، دکھ، تکلیف یا رنج۔ بکٹ کہانی میں یہ لفظ خاص طور پر محبوب کی جدائی اور فراق کے غم کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یعنی جب عورت اپنے شوہر یا محبوب کی جدائی میں بارہ مہینوں کا کرب بیان کرتی ہے تو اس کیفیت کو "بکٹ" کہا جاتا ہے۔ اس طرح بکٹ کہانی غم والم کی کہانی یا فراق کی داستان کہلاتی ہے۔

ادبی اصطلاح میں "بکٹ کہانی" اردو شاعری میں بارہ ماسہ کی ایک صنف کو کہا جاتا ہے، جس میں ایک عورت اپنے محبوب یا شوہر کی جدائی کے دکھ کو بارہ مہینوں کی ترتیب کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ ہر مہینے کی فطری اور تہذیبی خصوصیات کے پس منظر میں جدائی اور فراق کے کرب کو پیش کرنا اس صنف کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اصطلاحی طور پر یہ محض کہانی نہیں بلکہ ایک منظوم بیانیہ ہے جو نسوانی جذبات، موسمی تبدیلیوں اور تہذیبی حوالوں کو جوڑ کر ایک ادبی پیکر میں ڈھالتا ہے۔

بکٹ کہانی کو شمالی ہند میں اردو شاعری کا پہلا مستند نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

> "بکٹ کہانی" جسے بجا طور پر "شمالی ہند میں اردو شاعری کا پہلا مستند نمونہ" کہا گیا ہے، سب سے پہلے شعبہ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد کے علمی و تحقیقی مجلے "قدیم اردو" (جلد اول) میں ۱۹۶۵ میں

شائع ہوئی۔۔۔۔۔بکٹ کہانی سے قبل کی کوئی بھی لائقِ اعتناء ادبی دستاویز تاحال دستیاب نہیں ہوئی ہے۔"(۱)

بکٹ کہانی ایک طویل مثنوی کی حیثیت رکھتی ہے جس میں تین سو اکیس اشعار ہیں اور اسے بارہ ماسہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مسعود حسین خاں لکھتے ہیں:

"پریم کی راہ بڑی بکٹ (مشکل، ٹیڑھی) ہوتی ہے۔"(۲)

اس مثنوی کی ادبی اور لسانی اہمیت اردو ادب کی تاریخ میں نہایت نمایاں ہے۔ ادبی لحاظ سے بکٹ کہانی کی اہمیت یہ ہے کہ اس نے نسوانی جذبات، فراق و ہجر کی شدت اور موسمی تبدیلیوں کو ایک ساتھ مربوط کر کے پیش کیا، جس کی بدولت اردو شاعری میں ایک نئی جہت پیدا ہوئی۔ اس صنف نے بعد کی غزل اور نظم کے لیے ایک طرح سے بنیاد فراہم کی، کیونکہ اسی میں پہلی بار عورت کی آواز کو اس کی اپنی زبان میں سنا گیا اور اس کے دکھ کو مرکزی مقام دیا گیا۔ لسانی اہمیت کے پہلو سے دیکھا جائے تو بکٹ کہانی اردو کے ارتقائی سفر کا ایک قیمتی نمونہ ہے جس میں کھڑی بولی، برج بھاشا، پنجابی اور مقامی بولیوں کی آمیزش نظر آتی ہے۔ یہ آمیزش بتاتی ہے کہ اردو زبان کس طرح مختلف لسانی دھاروں سے گزر کر اپنی موجودہ صورت اختیار کر رہی تھی۔ بکٹ کہانی کی زبان سادہ، فطری اور عوامی لہجے کے قریب ہے، جس نے اسے عام قاری کے دل سے جوڑ دیا اور یہ اردو کو صرف ایک اشرافیہ کی زبان نہیں بلکہ عوامی زبان کے طور پر بھی منوانے میں معاون بنی۔ اس طرح بکٹ کہانی اپنی ادبی اور لسانی اہمیت کے اعتبار سے نہ صرف اردو کی بنیاد رکھنے والی تخلیق ہے بلکہ برصغیر کے ادبی اور ثقافتی ورثے میں بھی اس کا ایک مستقل مقام ہے۔ ڈاکٹر تنویر علوی لکھتے ہیں:

"شمالی ہند میں ریختہ کے اس پہلے شاعر کا نام محمد افضل اور تخلص افضل تھا۔ اپنی مشہور شعری تخلیق بکٹ کہانی کے آخری شعر میں انھوں نے افضل کے ساتھ خود کو گوپال بھی کہا ہے۔"(۳)

بارہ ماسہ ہندی ادب کی مقبول و مانوس صنف سخن کا ایک کامیاب نمونہ ہے۔ اس نوع کی کہانی تفاوت کے ساتھ نہ معلوم کتنے بارہ ماسوں میں دہرائی جا چکی ہے پھر بھی اس کی دل کشی میں کمی نہیں آئی ہے۔ افضل کا یہ بارہ ماسہ بکٹ کہانی کے نام سے شائع ہوا ہے۔

اخلاق حسین عارف لکھتے ہیں:

"بارہ ماسہ دراصل ہندی نژاد نظم ہے جو ہجر زدہ اور فراق زدہ عورت کے دل کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس میں محبوب کی جدائی میں ایک عورت کی دلی کیفیات کو پیش کیا جاتا ہے جو اس امر کی شہادت ہے کہ عورت کی زبانی عشقیہ کیفیات و جذبات کی عکاسی اس عہد میں شمالی ہند اور دکن دونوں مقامات کے شعر و ادب کی مشترکہ خصوصیت رہی ہے جس کا سرچشمہ ہندی شاعری ہے۔ برا عظم کی قدیم شاعری میں عشقیہ جذبات کا اظہار عورت کی طرف سے کیا جاتا تھا۔ بعض نقادان ادب نے ایسی شاعری کو بھاشا میں شمار کیا ہے جس میں عورت کا خطاب مرد سے ہے۔ اس ضمن میں یہ نکتہ قابل لحاظ ہے کہ تانیث کے صیغہ میں جو عاشقانہ گداز اور خود سپردگی ہے وہ ایک عشقیہ فضا کی تخلیق میں فنی طور پر معاون ثابت ہوتی ہے۔"(۴)

بکٹ کہانی کا ایک اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس میں داخلی اور خارجی کیفیات کا ایسا حسین امتزاج ہے جو ادب کے اعلیٰ نمونوں میں پایا جاتا ہے۔ داخلی کیفیت عورت کی جدائی اور بے بسی ہے جبکہ خارجی کیفیت فطرت اور موسم کی تبدیلیاں ہیں۔ شاعر نے ان دونوں کو اس مہارت سے جوڑا ہے کہ وہ ایک دوسرے کا عکس معلوم ہوتے ہیں۔ قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ موسم اور فطرت عورت کے دل کی کیفیات کا آئینہ ہیں۔ یہ فنکارانہ امتزاج بکٹ کہانی کو محض ایک عشقیہ داستان سے بلند کر کے ایک مکمل فن پارہ بنا دیتا ہے۔

اس تخلیق میں عورت کی آواز براہِ راست سنائی دیتی ہے۔ یہ آواز کسی مرد شاعر کی مسلط کردہ زبان نہیں بلکہ ایک ایسی زبان ہے جو فطری اور سچی لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ناقدین نے بکٹ کہانی کو نسوانی ادب کی اولین مثالوں میں شمار کیا ہے۔ اگرچہ یہ مرد شاعر کی تخلیق ہے لیکن اس میں عورت کے لہجے کی صداقت اتنی نمایاں ہے کہ اسے نسوانی ادب سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ بقول شاعر:

سنو سکھیو! بکٹ میری کہانی
بھئی ہوں عشق کے غم سوں دِوانی
ارے یہ عشق ہے یا کیا بلا ہے
کہ جس کی آگ سے سب جگ جلا ہے (۵)

اس تخلیق کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ عوامی شعور اور عوامی جذبات کی عکاسی کرتی ہے۔ جو موضوعات اس میں بیان ہوئے ہیں وہ عام لوگوں کی زندگی سے جڑے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی شخص جو محبت اور جدائی کے تجربے سے گزرا ہو اس کہانی میں اپنی کیفیت دیکھ سکتا ہے۔ یہی پہچان بکٹ کہانی کو اردو ادب کی تاریخ میں ایک زندہ تخلیق بناتی ہے۔ یہ صرف اپنے دور کی نمائندہ نہیں بلکہ آج بھی قاری کو متاثر کرتی ہے۔

اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بکٹ کہانی نے اردو زبان کی تشکیل میں ایک تاریخی کردار ادا کیا۔ جب مختلف بولیاں اور زبانیں آپس میں مل رہی تھیں تو اس تخلیق نے ان کے امتزاج کو ایک ادبی شکل دی۔ کھڑی بولی کی سادگی، برج بھاشا کی نغمگی اور پنجابی کی عوامی زبان کر ایک ایسا مرکب بناتے ہیں جسے ہم اردو کی ابتدائی شکل کہہ سکتے ہیں۔ یہ مرکب نہ صرف لسانی اعتبار سے اہم ہے بلکہ ادبی طور پر بھی اردو کے ارتقا کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

اس تخلیق کا ایک اور قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ اس میں شاعری کے بیانیہ پن کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہر ماہ کے بیان میں صرف جذبات یا فطرت کی منظر کشی نہیں بلکہ ایک طرح کی کہانی پن بھی موجود ہے۔ محبوب کی جدائی کے بعد عورت کس طرح وقت گزارتی ہے، موسموں کو کیسے محسوس کرتی ہے، تہواروں کو کس طرح بے رنگ دیکھتی ہے۔ یہ سب مل کر ایک تسلسل پیدا کرتے ہیں۔ یہ تسلسل قاری کو بار بار آگے پڑھنے پر

مجبور کرتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے جیسے کوئی طویل داستان ایک داخلی اور جذباتی زبان میں اس کے سامنے بیان ہو رہی ہے۔ شکیل الرحمٰن لکھتے ہیں:

"ہندوستانی آرٹ میں بیانیہ کا سانچہ اہمیت رکھتا ہے۔ بارہ ماسہ بھی ایک بیانیہ ہے۔ یہ بیانیہ ایک کرداری ڈرامہ بھی ہے کہ جس میں مصوری اور موسیقی کی ادائیں بھی موجود ہیں۔ بنیادی طور پر بارہ ماسہ ایک روحانی تجربہ ہے، ایک سادھنا ہے، بدلتے موسم میں عورت کی جذباتی نفسیاتی کیفیتوں کا اظہار ہوتا ہے، فطرت یا نیچر کبھی پس منظر نہیں بنتا، ہمیشہ سامنے اور ساتھ ہوتا ہے۔ فطرت کا جلال و جمال اور عورت کی نفسیاتی کیفیتیں ایک وحدت بن جاتی ہیں۔"(۶)

بکٹ کہانی کی مقبولیت میں اس کے لوک عناصر نے اہم کردار ادا کیا۔ لوک شاعری ہمیشہ عوامی زندگی کی نمائندہ رہی ہے اور بکٹ کہانی اسی لوک روایت سے جڑی ہوئی ہے۔ اس میں جو مناظر پیش کیے گئے ہیں وہ دیہات کی زندگی کے قریب ہیں۔ بارش، کھیت، میلوں، تہواروں اور گاؤں کے اجتماعی ماحول کی جھلک اس میں بار بار ملتی ہے۔ یہی چیز اسے عوامی زندگی کے قریب اور زیادہ حقیقی بناتی ہے۔ عوام نے جب اسے پڑھا یا سنا تو انہیں اپنی ہی زندگی کی جھلک محسوس ہوئی۔ یہ لوک رنگ اس صنف کو ایک مخصوص مقبولیت بخشتا ہے جو اسے دوسری ادبی اصناف سے ممتاز کرتا ہے۔

اس کہانی کو بعض لوگ افضل کا منماری تصور کرتے ہیں مگر یہ کہانی اپنی ادبی روایت میں افضل کے امرد پرستانہ جذبہ عشق کی روایت سے نا آشنا تھی ۔ڈاکٹر تنویر علوی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"افضل اپنی حیات منماری کی حسین روداد اگر نظم کر دیتے تو ریختہ کی منظوم عشقیہ داستانوں میں حقیقت نگاری کا ایک نہایت دل کش نمونہ سامنے آتا لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس میں قصہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ صرف غم جدائی کا ذکر ہے جو ایک فراق آشنا عورت کی زبان اور انداز بیان کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ خود افضل نے اسے اپنی کہانی نہیں کہا بلکہ ایک حسین اور دل ربا یاد سے تعبیر کیا جو دراصل اس شعری تخلیق کے جذباتی پہلو کی عکاسی کرتی ہے۔"(۷)

افضل کی محبت کی داستان میں کچھ عناصر شاید زیبِ داستان کے طور پر شامل کیے گئے ہیں۔ اس پہلو سے یہ قصہ حقیقت اور تخیل کا ایک امتزاج نظر آتا ہے، جس کا مقصد زیادہ تر قاری کو مسحور کرنا اور محبت کی شدت کو اجاگر کرنا ہے، چاہے اس میں تاریخی صداقت کتنی ہی کم کیوں نہ ہو۔ اس بارے میں ڈاکٹر تنویر علوی رقم طراز ہیں:

"افضل کے اس افسانہ محبت کا قاری اس کی دلچسپیوں سے لطف اندوزی کے باوجود بعض ذہنی الجھنوں سے دوچار رہتا ہے۔ ترجمہ نگار نے ایک سے زیادہ مرتبہ افضل کو ضعیف العمر اور علت

پیری میں مبتلا ظاہر کیا ہے، کیا اس زمانہ عمر تک افضل مجرد زندگی گزار رہے تھے؟ اس لیے کہ ان کے معاملات عشق میں کہیں زن و فرزند و خانماں کا ذکر نہیں ہے۔ اور کیا اس عمر میں وہ تمام ہنگامہ آرائی ممکن تھی جو اس داستان میں ملتی ہے۔ ان کے جذبہ عشق کے والہانہ پن اور ان کی مہم پسندانہ روش ضعف قوی اور علت پیری سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ علاوہ بریں وہ جواں العمر ہندو عورت جسے افضل کی کوچہ گردی کے پیش نظر رسوائی و بدنامی سے بچانے کے لیے دور دست قصبہ متھرا میں بھیجا گیا تھا اسے افضل کے تلاش مجوب میں روپوش ہو جانے کے باوجود اس دیار غیر میں کیوں رکھا گیا؟ اور اس اثناء میں اس کے عزیزوں اور نزدیکیوں کو اس کی شادی کر دینے کا خیال کیوں نہ آیا؟ جب کہ ہندوؤں ہیں جوان لڑکیاں اتنے دنوں تک بیٹھی نہیں رہتیں۔ پوجا کے دن بھرے مجمع میں افضل کو مندر کا بڑا پروہت ہوتے ہوئے ایک (پوجا کے لیے آنے والی) عورت کا ہاتھ چومنے اور اس سے اظہار مدعا کرنے کی جرات کیسے ہوئی اور یہ بات چھپی کیسے رہی؟ وغیرہ اس سے کبھی کبھی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ افضل کی اس پریم کہانی میں کچھ باتیں زیب داستاں کے طور پر بھی شامل ہوں۔"(۸)

افضل کی حیات مناری کی اس کہانی کے علاوہ ان کی زندگی کے آثار و احوال پردہ خفا میں ہیں۔ ان کی پیدائش، خاندانی حالات اور تعلیم و تربیت کے ماحول سے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے۔ اس تخلیق میں جذبات کی شدت کو بڑھانے کے لیے جو فطرت کی منظر کشی کی گئی ہے، وہ بھی ایک قابلِ غور پہلو ہے۔ ہر موسم کو عورت کے دل کی کیفیت سے جوڑ دیا گیا ہے۔ مثلاً ساون کی بارش عورت کے آنسوؤں کی طرح برستی ہے، بہار کے پھول اس کے دل کے زخموں کی طرح کھلتے ہیں، دیوالی کے چراغ اس کی تنہائی کو اور زیادہ نمایاں کرتے ہیں۔ اس طرح فطرت محض پس منظر نہیں رہتی بلکہ جذبات کے اظہار کا فعال حصہ بن جاتی ہے۔ یہ اسلوب بعد میں اردو کے بڑے شعرا کے ہاں بھی نظر آتا ہے، لیکن بکٹ کہانی نے اسے سب سے پہلے اس شدت کے ساتھ پیش کیا۔

بکٹ کہانی کے آغاز میں وہ اپنی سہیلیوں کو مخاطب کر کے کہتی ہے کہ میری دکھ بھری کہانی سنو، کیونکہ عشق کے غم نے مجھے دیوانہ بنا دیا ہے۔ جدائی کا درد اتنا شدید ہے کہ دن کو بھوک محسوس نہیں ہوتی اور رات کو نیند غائب ہو جاتی ہے۔ محبوب کی جدائی کا یہ کرب سینے پر بھاری بوجھ کی طرح بیٹھ گیا ہے۔ اس شرح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عشق کا درد انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات کو بھی متاثر کر دیتا ہے اور انسان اپنی داخلی تڑپ میں اس حد تک مبتلا ہو جاتا ہے کہ اسے دنیا کی کسی چیز کا احساس باقی نہیں رہتا۔ یہ کیفیت بارہ ماسہ کی روایت کے عین مطابق ہے جہاں ہر موسم اور ہر لمحہ محبوب کی یاد اور فراق کے دکھ سے جڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ بقول شاعر:

سنو! سکھیو بکٹ میری کہانی
بھئی ہوں عشق کے غم سوں دوانی
نہ مجھ کوں بھوک دن، نا نیند راتا
برہ کے درد سوں سینہ پر اتا (۹)

یہ اشعار بکٹ کہانی کے اس بنیادی رنگ کو اجاگر کرتے ہیں جس میں غم زدہ عورت کی داستانِ محبت ہر سہیلی کے سامنے ایک اجتماعی درد کے طور پر سنائی جاتی ہے۔ فراق کا یہ دکھ محض انفرادی نہیں بلکہ ایک ایسی کیفیت ہے جو ہر قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے، کیونکہ یہ انسانی جذبات کی سب سے گہری اور آفاقی شکل کو ظاہر کرتا ہے۔

محبت کی داستانوں میں بعض کردار ایسے ہیں جنہوں نے اپنے عشق اور اپنی جذباتی شدت کے باعث لازوال شہرت حاصل کی۔ ان میں زلیخا اور مجنوں کے نام نمایاں ہیں۔ زلیخا کا کردار قرآن وادب دونوں میں حضرت یوسفؑ کی محبت میں بے خودی اور وارفتگی کی علامت سمجھا جاتا ہے، جب کہ مجنوں کا تذکرہ لیلیٰ کی محبت میں جنون اور دیوانگی کے استعارے کے طور پر آتا ہے۔ صدیوں سے یہ دونوں کردار عشق کی انتہا اور عاشق کے حال کی شدت کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتے رہے ہیں۔ اس حوالے سے ایک بکٹ کہانی کا یہ شعر ہے:

زلیخا را نمود از خانہ بیروں
نمودہ قیس را دیوانہ، مجنوں (۱۰)

اس شعر میں دو بڑے عشقیہ کرداروں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک طرف زلیخا ہے جو یوسفؑ کی محبت میں اس قدر بے قرار ہوئی کہ اپنی رسوائی کی پرواہ نہ کی، حتیٰ کہ گھر سے بھی باہر نکال دی گئی۔ دوسری طرف قیس ہے جو لیلیٰ کی محبت میں دیوانہ ہو کر "مجنوں" کے لقب سے مشہور ہوا۔ شاعر ان دونوں مثالوں کو پیش کر کے یہ بتانا چاہتا ہے کہ عشق ایک ایسی قوت ہے جو انسان کو سماج کے رواجوں، عزت و آبرو اور عقل و خرد سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ زلیخا اور قیس دونوں نے عشق کے سبب اپنی زندگی کی عام روشیں چھوڑ دیں اور عاشقانہ دیوانگی کی علامت بن گئے۔ اس شعر میں دراصل یہ پیغام ہے کہ عشق جب دل میں جاگزیں ہو جائے تو پھر نہ عزت و ذلت کی پروا رہتی ہے اور نہ دنیاوی قاعدے قانون کی۔ یہ کیفیت "بکٹ کہانی" کے مرکزی جذبے یعنی فراق و عشق کی شدت کو واضح کرتی ہے۔ ساون کی آمد ان اشعار میں سمٹ آئی ہے:

رسیدہ بر سرم ہنگام برسات
سجن پردیس میں ہیہات ہیہات
چڑھا ساون ، بجا مارو نقارہ
سجن بن کون ہے ، ساتھی ہمارا
گھٹا کاری چہاروں اور چھائی

برہ کی فوج نے کیی چڑھائی(۱۱)

یہ اشعار بارہ ماسہ کی صنف کے نمایاں نمونہ ہیں جن میں ساون (برسات) کے موسم کی منظر کشی اور اس کے ساتھ جدائی کے کرب کو جوڑا گیا ہے۔ شاعرہ کہتی ہے کہ برسات کا موسم آ پہنچا ہے، لیکن میرا محبوب پردیس میں ہے اور میں تنہا ہوں۔ ساون کی گھنگھور گھٹائیں چھا گئی ہیں، بادل گرج رہے ہیں جیسے نقارہ بج رہا ہو، مگر محبوب کے بغیر یہ سارا سماں اجنبی اور بے رنگ لگتا ہے۔ چاروں طرف سیاہ گھٹا چھائی ہوئی ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے جدائی کی فوج نے مجھ پر یلغار کر دی ہو۔ ان اشعار میں فطرت کے حسین مناظر کو جدائی کے دکھ کے ساتھ ملا کر پیش کیا گیا ہے۔ برسات جو عام طور پر خوشی اور ملاپ کا موسم سمجھا جاتا ہے، شاعرہ کے لیے الٹا دکھ اور تنہائی کا سبب بن گیا ہے۔ یہ منظر بارہ ماسہ کی اصل روح کو ظاہر کرتا ہے جہاں موسم اور انسانی جذبات گہری معنوی ربط میں دکھائے جاتے ہیں۔ ماہ بھادوں میں اپنی کیفیت ان الفاظ میں بیان کرتی ہے:

سکھی! بھادوں نپٹ تپتی پڑے ری
تمامی تن بدن میرا جرے ری
سیہ با در چہاروں اور چھائے
لیا مجھ گھیر پیوا جھوں نہ آئے
جھڑی پڑنے لگی اور رعد گرجا
تمامی تن بدن' جیو جان، لرجا
اکیلی دیکھ ، نس کاری ڈراوے
تمامی رین دن ، برھا ستا دے(۱۲)

فراق زدہ عورت نے بھادوں کے مہینے کی کیفیت اور اپنی داخلی حالت کو نہایت دردناک انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ اپنی سہیلی کو مخاطب کر کے کہتی ہے کہ بھادوں کا موسم سخت تپش لے کر آیا ہے جس سے میرا سارا جسم جل رہا ہے۔ اوپر سے آسمان پر سیاہ بادل چاروں طرف چھا گئے ہیں اور محبوب کی غیر موجودگی نے مجھے ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔ بارش کی جھڑیاں لگ گئی ہیں، بجلی کڑک رہی ہے اور گرج چمک نے میرے جسم و جان کو لرزا دیا ہے۔ میں اکیلی ان سیاہ گھٹاؤں اور ڈراؤنے مناظر کو دیکھتی ہوں تو مزید خوف اور تنہائی کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ دن ہو یا رات، جدائی کا دکھ مجھے ہر لمحہ ستاتا ہے۔ اس شرح سے واضح ہوتا ہے کہ شاعرہ نے موسم کی سختیوں کو اپنے باطنی غم کے ساتھ جوڑ کر دکھایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ جب دل محبوب کی جدائی میں بے چین ہو تو خوشگوار یا معمولی موسمی مناظر بھی ڈراؤنے اور ناقابلِ برداشت بن جاتے ہیں۔ یہی بارہ ماسہ کی اصل فنی اور جذباتی خصوصیت ہے۔ بقول شاعر:

لکھوں پتیاں ارے اے کاگ! لے جا
سلونے، سانورے سندر پیا پا
کلیجہ کاڑ کر تجھ کوں کھلاؤں
ترے دو پنکھ پر بلہار جاؤں(۱۳)

ان اشعار میں مضطرب خاتون نے کبوتر یا کوے (کاگ) کو پیام رساں بنایا ہے جو کلاسیکی شاعری کا ایک عام استعارہ ہے۔ وہ پرندے کو مخاطب کر کے کہتی ہے کہ اے کاگ! میں اپنے محبوب کے لیے خط لکھتی ہوں، تو یہ پیغام میرے سانولے، سلونے اور سندر پیا تک پہنچا دینا۔ جدائی کے دکھ سے میرا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے، اگر تو میرا پیغام اس تک پہنچا دے تو میں خوشی سے اپنا دل نکال کر تجھے کھلانے کو تیار ہوں اور تیری دو ننھی پنکھوں پر صدقے ہونے کو تیار ہوں۔ یہاں محبوب کو "سانولا، سلونا اور سندر" کہہ کر حسن کی تعریف کی گئی ہے اور پرندے کو ذریعۂ وصل مان کر اس سے دل کی بے قراری کا علاج چاہا گیا ہے۔ اس شرح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ محبوبہ کی تڑپ اسے ہر وسیلے سے اپنے محبوب تک پیغام پہنچانے پر مجبور کرتی ہے اور وہ اس خدمت کے بدلے جان تک قربان کرنے کو آمادہ ہے۔ یہ کیفیت بارہ ماسہ کی اس خصوصیت کو اجاگر کرتی ہے کہ فراق کی شدت میں معمولی سی چیز یا علامت بھی امید اور سہارا بن جاتی ہے۔

بکٹ کہانی میں عورت کی آواز دراصل اردو ادب میں نسوانی لہجے کی اولین نمائندگی ہے۔ بعد کے ادوار میں اگرچہ کئی شاعروں نے عورت کی زبان میں اظہار کی کوشش کی لیکن اکثر اس میں تصنع یا بناوٹ جھلکنے لگتی ہے۔ افضل پانی پتی کی یہ خصوصیت ہے کہ انہوں نے عورت کی زبان کو اصل معصومیت اور سچائی کے ساتھ پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیق آج بھی قاری کو تازگی اور صداقت کا احساس دلاتی ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ بکٹ کہانی نے اردو ادب میں نسوانی اظہار کے لیے ایک بنیاد فراہم کی جس پر بعد کے شعرا نے اپنے تجربات کی عمارت کھڑی کی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ بکٹ کہانی کے اندر مذہبی اور ثقافتی ہم آہنگی کی جھلک بھی ملتی ہے۔ ہولی اور دیوالی جیسے ہندو تہواروں کا ذکر یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ تخلیق ایک ایسے دور کی ہے جب معاشرتی سطح پر مختلف مذاہب اور تہذیبیں ایک دوسرے کے قریب تھیں۔ شاعر نے ان تہواروں کو محض مذہبی پہلو سے نہیں دیکھا بلکہ انہیں انسانی جذبات اور محبت کی کیفیتوں کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا۔ اس طرح یہ تخلیق ایک ایسی تہذیبی فضا کی نمائندگی کرتی ہے جس میں انسانیت کے جذبات مذہب اور قومیت کی سرحدوں سے بالاتر ہو کر ظاہر ہوتے ہیں۔

کنوار کا مہینہ بھی کم جان لیوا نہیں ہے، ہر جانب سفید پھول کھلے ہوئے ہیں، عورت کے بال بھی سفید ہو رہے ہیں، عمر کی اس منزل پر آنے کے باوجود اس کی آس ٹوٹی نہیں ہے۔ اب بھی اپنے محبوب کے لیے تڑپ رہی ہے۔ زندگی اس عمر میں بھی میٹھی ہو جائے اگر محبوب پاس آجائے۔
کارتک کے مہینے میں دن چھوٹے ہوتے ہیں، راتیں بڑی ہوتی ہیں، بہت جلد شام ہو جاتی ہے، چراغ جلانا پڑتا ہے کی چمک، بادلوں کی کڑک سب مختلف فضائیں خلق کرتے ہیں۔ ہر فضا میں جدائی کی تکلیف بڑھ جاتی ہے۔ عورت تنہا ہے، ہر موسم میں تنہائی ڈستی ہے۔ بارش اور گرمی کے موسموں میں بستر پر محبوب کی تلاش میں رہتی ہے۔ تنہائی میں بستر پر کانٹے بچھے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔
چیت (بہار کا موسم-مارچ تا اپریل) کا موسم شروع ہوتا ہے تو ہر جانب زندگی جشن مناتی دکھائی دیتی ہے، صرف عورت تنہا نظر آتی ہے۔ وہ جشنِ زندگی میں شامل نظر نہیں آتی۔ اُس کا محبوب ساتھ نہیں ہے۔ بیساکھ (اپریل مئی) کے مہینے میں عورت اپنے محبوب سے گزارش کرتی ہے کہ وہ پاس آئے، کہتی ہے اُس کے بغیر اس کی زندگی کی کوئی معنویت نہیں ہے۔ تم آجاؤ تو میری زندگی بیش قیمت بن جائے۔

جیٹھ کے مہینے میں تپتی ہوئی زمین پر عورت تڑپتی دکھائی دیتی ہے۔ اپنے باطن میں اُترنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ اُسے راحت نصیب ہو، وہاں بھی اُسے چین نصیب نہیں ہوتا۔ اسی طرح ماہِ چہارم (کاتک) میں درد کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

چلی کا تک کی رت کیا کیجئے ری
سلونے بِن نہیں اب جیو رہے رہی(۱۴)

ان اشعار میں نے کاتک (یعنی کارتک / اکتوبر سے نومبر) کے موسم کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کیفیت بیان کی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ کاتک کی رت آگئی ہے، لیکن اس موسم کی خوبصورتی اور ٹھنڈی فضائیں بھی میرے کسی کام کی نہیں، کیونکہ میرے سلونے محبوب کے بغیر اب جان باقی نہیں رہ سکتی۔ یہاں موسم کی لذت اور حسن کو محبوب کی موجودگی سے مشروط دکھایا گیا ہے۔ اگر محبوب ساتھ ہو تو موسم خوشی اور راحت کا باعث ہے، لیکن اگر وہ جدائی میں ہے تو سارے موسم بے معنی اور بوجھل ہو جاتے ہیں۔ یہ اشعار بارہ ماسہ کی بنیادی خصوصیت کی عکاسی کرتے ہیں کہ ہر مہینے اور ہر رت کو فراق و وصال کے جذبے سے جوڑ کر انسانی دل کی کیفیات کو پیش کیا جاتا ہے۔

"در بیانِ ماہِ پنجم: اگہن" کی دلی کیفیت بھی اسی موسم کے مطابق پیش کی گئی ہے:

سکھی ! اگہن سیہ رو مانس آیا
سجن آئے نہ کا گد لکھ پٹھایا
بھیا موسم خنک ،سردی بھئی رے
اجھوں لگ غم اگن تن موں رہی اے(۱۵)

"اگہن" (سردیوں کا مہینہ) جدائی کی سختیوں اور اداسی کی علامت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ سرد موسم اور اندھیری رت محبوبہ کے دل کی تنہائی اور محبوب کی جدائی کو اور بھی زیادہ گہرا کر دیتے ہیں۔ ان اشعار میں اپنی سہیلی کو اپنی کیفیت سنا رہی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ: "سکھی! اگہن کا سیاہ اور اداس کر دینے والا موسم آگیا ہے، لیکن میرا سجن ابھی تک نہیں آیا اور نہ ہی اس نے کوئی خط یا پیغام بھیجا ہے۔ سردی کا موسم چھا گیا ہے، خنک ہوا چل رہی ہے، مگر میرے بدن میں جدائی کی آگ آج بھی اسی طرح جل رہی ہے۔"

یہاں موسمِ سرما کی خنکی اور جدائی کی آگ کو ایک دوسرے کے مقابل لا کر دکھایا گیا ہے۔ فطرت سردی سے بھر گئی ہے لیکن محبوبہ کا دل اس آگ میں جل رہا ہے جو محبوب کی غیر موجودگی نے بھڑکا رکھی ہے۔ سردی کی ٹھنڈک جسم کو تو متاثر کرتی ہے، مگر دل کی تپش اور غم کی آگ اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔ یہ اشعار بارہ ماسہ کی اس خاصیت کو نمایاں کرتے ہیں کہ موسم کی تبدیلی کو انسانی دل کے جذبات کے ساتھ جوڑ کر جدائی کی شدت کو اور زیادہ نمایاں کر دیا جاتا ہے۔ بقول شاعر:

اگھن دُکھ دے گیا اب پوس آیا
پیا کی چاہ نے غلبہ اُٹھا
پڑے پالا کرے تھر تھر مری دیہہ
سکھی ! کسی بار گھڑی لاگا مرا نیہ
کریں عشرت پیا سنگ ناریاں سب
میں ہی کا نپوں اکیلی، ہائے یا رب!(۱۶)

ان اشعار میں شاعر نے اگہن کے بعد آنے والے پوس کے مہینے کی کیفیت کو نہایت درد اور شدت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لکھا ہے کہ اگہن کا دکھ ابھی باقی تھا کہ اب پوس آ گیا ہے اور محبوب کی چاہت نے دل پر اور زیادہ غلبہ کر لیا ہے۔ سخت جاڑوں کے سبب بدن پر پالا پڑ رہا ہے اور سردی سے میرا جسم کانپ رہا ہے، مگر محبوب کی جدائی کی آگ سرد نہیں ہو رہی۔ وہ تنہا رہ گئی ہے، مزید دکھ یہ ہے کہ باقی عورتیں اپنے اپنے محبوب کے ساتھ عشرت و مسرت کی گھڑیاں گزار رہی ہیں، جبکہ میں اکیلی تنہائی اور فراق کی آگ میں جل رہی ہوں۔ دوسری طرف سماجی پس منظر بھی دکھایا گیا ہے کہ جب سب عورتیں اپنے شوہروں یا محبوبوں کے ساتھ خوشی منا رہی ہیں تو جدائی زدہ محبوبہ کے لیے یہ موسم اور زیادہ کٹھن اور دکھ بھرا ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کو شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

گیا پوس اے سکھی اب ماہ آیا
پیا نے جائے کر پردیس چھایا
فراق اب ماہ کا مجھ کوں دیا ہے
پیا نے نئیں اجھوں پھیرا کیا ہے(۱۷)

اپنے دل کی حالت سہیلی کو سناتے ہوئے کہتی ہے کہ "پوس کا مہینہ ختم ہو گیا، اے سکھی! اور اب نیا مہینہ آ گیا ہے لیکن میرا محبوب پردیس جا کر ابھی تک واپس نہیں آیا۔ ہر نیا مہینہ میرے لیے خوشی کے بجائے فراق کی نئی اذیت لے کر آتا ہے۔ محبوب نے آج تک پلٹ کر میری طرف کوئی توجہ نہیں دی اور نہ ہی کوئی پیغام بھیجا ہے۔

یہاں موسم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ پریشان حال خاتون کی امید اور مایوسی کی کیفیت ظاہر کی گئی ہے۔ پوس کے بعد نئے مہینے کا آغاز گویا ایک نئی اُمید بن کر آیا، لیکن جب محبوب کی عدم موجودگی برقرار رہی تو یہ امید پھر فراق کے درد میں بدل گئی۔ یہ اشعار بارہ ماسہ کے اس بنیادی پہلو کو واضح کرتے ہیں کہ وقت آگے بڑھتا رہتا ہے، موسم اور مہینے بدلتے رہتے ہیں، مگر محبوبہ کے دل کی تڑپ اور محبوب کی کمی برقرار رہتی ہے، بلکہ وقت کے ساتھ اور بڑھتی جاتی ہے۔

گیا جب ماگھ پھاگن مانس آیا
سکھی ! ہے ہے پیا اس رت نہ آیا
جو آیا ماہ پھاگن کیا کروں ری
سجن پر دیس، میں نت دکھ بھروں ری
کہے برہن کر بھاگن مانس آیا
سمجھوں نے روپ رنگا رنگ بنایا(۱۸)

اب بھاگن (پھاگن) کا زمانہ آیا ہے جو بہار کا مہینہ ہے، سمجھو کہ فطرت نے اپنے سارے رنگ اور روپ بکھیر دیے ہیں، لیکن اس کے لیے یہ سب رنگ بے معنی ہیں کیونکہ اس کے پیا کی غیر موجودگی نے ان سب کو پھیکا کر دیا ہے۔

ان مصرعوں میں فطرت کی رعنائی اور دل کی ویرانی کا خوبصورت تضاد دکھایا گیا ہے۔ باہر کی دنیا رنگ و خوشبو سے مہک رہی ہے، لیکن اندر کی دنیا جدائی کے اندھیرے سے بھری ہوئی ہے۔ یہ بارہ ماسہ کی خاص خوبی ہے کہ وہ ہر موسم کے حسن کو محبوب کی غیر موجودگی سے جوڑ کر ایک المیہ رنگ دے دیتی ہے۔

سکھی ری ، چیت رت آئی سو آئی
اجھوں اُمید میری بر نہ آئی
بہ عالم پھولیاں پھلواریاں سب
کریں سیراں پیا سنگ ناریاں سب(۱۹)

تنہائی میں محبوبہ اپنی سہیلی کو اپنی تڑپ اور محرومی کا حال سناتی ہے۔ وہ کہتی ہے" : سکھی! ہاں، چیت کی رت تو آ گئی ہے، بہار نے ہر سو رنگ بکھیر دیے ہیں، درختوں پر پھول کھل اٹھے ہیں، باغات خوشبوؤں سے مہک رہے ہیں، لیکن میری امید اب تک پوری نہیں ہوئی کیونکہ میرا محبوب لوٹ کر نہیں آیا۔ جب سب عورتیں اپنے پیاروں کے ساتھ بہار کی سیر و تفریح کر رہی ہیں، خوشیاں منا رہی ہیں، میں اکیلی ان سب مناظر کو دیکھ کر غم اور جدائی کی آگ میں جلتی ہوں۔ در بیان ماہِ دہم: بیساکھ میں لکھتے ہیں:

سُنو سکھیو! کہ اب بیساکھ آیا
کویل نے انبہ پر چڑھ، شور لایا
سنی آواز کویل اور پپیہا
رہے دن رین کیوں کر میرا جیا(۲۰)

ان اشعار میں ناری اپنی سہیلیوں کو بیساکھ کے مہینے کی کیفیت سنا رہی ہے۔ وہ کہتی ہے" : سنو سکھیو! اب بیساکھ کا مہینہ آ گیا ہے، کوئل آم کے درخت پر بیٹھ کر اپنی سریلی کوک کے ساتھ شور مچا رہی ہے۔ اس کی آواز اور پپیہے کی پکار دل کو مزید بے قرار کر رہی ہے۔ اب تو دن اور رات کاٹنا میرے لیے اور بھی مشکل ہو گیا ہے۔"

یہاں بیساکھ کے موسم کی فطری دلکشی اور کوئل کی کوک کو جدائی کے پس منظر میں دکھایا گیا ہے۔ کوئل اور پپیہے کی آواز عموماً محبت، بہار اور خوشی کی علامت سمجھی جاتی ہے، لیکن ناری کے لیے یہ آوازیں تڑپ اور فراق کی آگ کو اور بھڑکانے والی ہیں۔ یوں فطرت کے حسین مناظر اور پرندوں کی بولیاں ناری کی داخلی کربناک حالت کا عکس بن جاتی ہیں۔

لگا یہ جیٹھ اب دھو پاں پڑیں ری
ہمن حیراں دسر گرداں پھریں ری(۲۱)

ان اشعار میں ناری نے جیٹھ کے مہینے کی سختیوں کو اپنی داخلی کیفیت کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا ہے۔ وہ کہتی ہے" : اب جیٹھ کا مہینہ آ گیا ہے، دھوپیں تیز اور جھلسا دینے والی پڑنے لگی ہیں، میں تنہا اور حیران پریشان در بدر بھٹکتی پھر رہی ہوں۔"

یہاں جیٹھ کی تیز دھوپ اور جھلسا دینے والی گرمی دراصل جدائی کی شدت اور بے قراری کی علامت ہے۔ جس طرح سورج کی تپش ہر چیز کو جھلسا دیتی ہے، اسی طرح محبوب کی جدائی نے محبوبہ کے دل کو جلاڈالا ہے۔ اس گرمی میں لوگوں کو اگر کہیں سایہ اور سکون میسر آ بھی جائے تو ناری کو وہ راحت نصیب نہیں، کیونکہ اس کی روح محبوب کی غیر موجودگی سے تڑپ رہی ہے۔

در بیان ماہِ دوازدہم: اساڑھ میں اس کی کیفیت یوں بیان کی ہے:

سنو اساڑھ ماس آیا سکھی ری
کرم میرے نہ جانوں کیا لکھی ری
سنو دن رین کی میری کہانی
کمر کو توڑ کر بیٹھی نمانی(۲۲)

محبوبہ اپنی سہیلی کو اساڑھ کے مہینے کی کیفیت بیان کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے" : سنو! سکھی، اب اساڑھ کا مہینہ آ گیا ہے، مگر میرے کرم میں کیا لکھا ہے، یہ مجھے معلوم نہیں۔ دن اور رات کی جو میری کہانی ہے وہ سنو: میں کمزور اور بے بس ہو کر بیٹھی ہوں، میری کمر جیسے ٹوٹ گئی ہے اور میں ناتواں ہو چکی ہوں۔"

یہاں اساڑھ کا مہینہ، جو برسات کے آغاز کا زمانہ ہوتا ہے، ناری کے لیے راحت نہیں لاتا بلکہ اس کی بے بسی اور دکھ کو اور گہرا کر دیتا ہے۔ بارش اور نمی کی فضا عام طور پر زندگی کی تازگی اور خوشی کی علامت ہوتی ہے، لیکن ناری کے لیے یہ جدائی کی شدت اور کمر توڑ اداسی کی علامت ہے۔ وہ اپنے نصیب پر شکوہ کرتی ہے کہ نہ جانے تقدیر میں کیا لکھا ہے جو محبوب کی غیر موجودگی نے اسے اس قدر بے حال کر دیا ہے۔

یہ اشعار بارہ ماسہ کی اس روایت کو مضبوط کرتے ہیں جس میں ہر موسم اور ہر مہینے کو ناری کی داخلی کربناک کیفیت سے جوڑ کر جدائی کو مزید نمایاں کیا جاتا ہے۔ فطرت کی تازگی اور ناری کی پژمردگی کا تضاد یہاں نہایت مؤثر انداز میں سامنے آتا ہے۔ ان تمام خصوصیات کی بنا پر بارہ ماسہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ شکیل الرحمٰن لکھتے ہیں؛

"بارہ ماسہ کی جڑیں عوامی یا لوک ادب کی گہرائیوں میں پیوست ہیں۔"(۲۳)

ان تمام مہینوں کی نظم یعنی بارہ ماسہ کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ناری کے دل کی کیفیت وقت اور موسم کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، لیکن ہر بدلتے مہینے اور ہر نئے موسم کے باوجود اس کی جدائی اور فراق کی تڑپ کم نہیں ہوتی بلکہ اور بڑھتی ہے۔ ساون کی گھٹائیں ہوں یا اگہن کی سردیاں، پھاگن کی رنگینیاں ہوں یا جیٹھ کی جھلسا دینے والی دھوپ، ہر موسم اس کے لیے محبوب کی یاد کو اور شدید کر دیتا ہے۔ دوسروں کو یہ رتیں خوشی اور مسرت دیتی ہیں، لیکن اس کے لیے ہر مہینہ ایک نئی اذیت اور تنہائی کا استعارہ بن جاتا ہے۔ اس نظم کا اختتام ایک کربناک احساس پر ہوتا ہے کہ وقت کی گردش اور موسموں کی تبدیلی سب کچھ بدل دیتی ہے، مگر ناری کے دل میں محبوب کی غیر موجودگی کا خلا کبھی نہیں پُر ہوتا۔ یہی پہلو بارہ ماسہ کو ایک ایسی تخلیق بنا دیتا ہے جس میں فطرت اور انسانی جذبات کی ہم آہنگی اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے، اور جس کے ذریعے جدائی کا دکھ ایک لازوال اور آفاقی تجربے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

ادبی نقادوں نے بکٹ کہانی کو اردو ادب کی بنیادوں میں شمار کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ تخلیق صرف اس لیے اہم نہیں کہ یہ اردو کی پہلی بارہ ماسہ ہے بلکہ اس لیے بھی کہ اس نے اردو زبان کے امکانات کو واضح کیا۔ اس میں زبان کا وہ عوامی اور سادہ روپ سامنے آیا جس نے اردو کو ایک مقبول عام

زبان بنایا۔ اگر اردو کے ابتدائی ادب میں بکٹ کہانی نہ ہوتی تو شاید ہمیں یہ نہ معلوم ہو پاتا کہ اردو کس طرح عوامی بولیوں اور عوامی جذبات سے جڑ کر پروان چڑھی۔ یہی وجہ ہے کہ بکٹ کہانی کا ذکر ہر اس تحقیق میں لازمی سمجھا جاتا ہے جو اردو زبان اور ادب کی ابتدا پر روشنی ڈالتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد افضل افضلؔ، بکٹ کہانی، مرتبہ: مسعود حسین خاں، علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء، ص ۷

۲۔ ایضاً، ص ۳۲

۳۔ ڈاکٹر تنویر علوی، اردو میں بارہ ماسے کی روایت مطالعہ و متن، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۸، ص ۱۵

۴۔ ڈاکٹر اخلاق حسین عارف، افضل کا بارہ ماسہ، لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۸۹، ص ۶

۵۔ محمد افضل افضلؔ، بکٹ کہانی، مرتبہ: مسعود حسین خاں، ص ۳۹

۶۔ شکیل الرحمٰن، بارہ ماسے کی جمالیات، نئی دہلی: نرالہ دنیا پبلی کیشنز، ۲۰۱۲، ص ۲۰

۷۔ ڈاکٹر تنویر علوی، اردو میں بارہ ماسے کی روایت مطالعہ و متن، ص ۱۷

۸۔ ایضاً، ص ۲۱

۹۔ محمد افضل افضلؔ، بکٹ کہانی، مرتبہ: مسعود حسین خاں، ص ۳۱

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۲

۱۱۔ ایضاً، ص ۳۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۸

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۰

۱۴۔ ایضاً، ص ۴۲

۱۵۔ ایضاً، ص ۴۵

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۷

۱۷۔ ایضاً، ص ۵۱

۱۸۔ ایضاً، ص ۵۳

۱۹۔ ایضاً، ص ۵۷

۲۰۔ ایضاً، ص ۶۰

۲۱۔ ایضاً، ص ۶۱

۲۲۔ ایضاً، ص ۶۲

۲۳۔ شکیل الرحمٰن، بارہ ماسے کی جمالیات، ص ۴۰